قسط نمبر: ۱۵

ورق ورق زندگی

پروفیسر خالد شبیر احمد

محکمہ بحالیات کا قیام (کرپشن کا آغاز):

رفتہ رفتہ چنیوٹ شہر کے حالات معمول پر آنے شروع ہو گئے۔ محکمہ بحالیات کا قیام عمل میں لایا گیا جس کے ذمے مہاجرین کی پاکستان بھر میں آباد کاری تھی۔ لیکن آباد کاری کا اندازِ کار کچھ درست نہ تھا۔ مثلاً ''کلیم'' میں یہ پوچھنے کی ضرورت کیا تھی کہ آپ کیا چھوڑ کر آئے ہیں۔ کتنی جائیداد آپ کی وہاں پر تھی جہاں پر قیام پاکستان سے پہلے آپ ہندوستان میں آباد تھے۔ اس غلطی نے پورے محکمہ بحالیات کو کرپشن کا مرکز بنا دیا۔ ہوا یوں کہ وہ مہاجرین جن کے پاس کچھ قیمتی اثاثے تھے انہوں نے خطیر رقم رشوت میں دے کر اچھے رقبے، اچھے مکان اور کارخانے اپنے نام الاٹ کرا لیے۔ وہ بیچارے جو کچھ رشوت میں نہ دے سکے ان چیزوں سے محروم رہے۔ حالانکہ حقیقتاً ان میں کئی ایسے مہاجر بھی تھے جو ہندوستان میں اچھی جائیداد کے مالک تھے۔ یہ ناانصافی دیدہ و دانستہ کی گئی۔ ایک طرف افسروں میں رشوت لینے کا آغاز قیامِ پاکستان پاکستان کے ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ جو آج پوری قوم کے لیے وبالِ جان بنا ہوا ہے اور دوسری طرف امیر و غریب کے درمیان ایک ایسا فاصلہ ہوا کہ جو دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا ہے اور یہی فاصلہ آج ہمارے سیاسی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے لیے تباہ کن ثابت ہو رہا ہے۔ بحالیات کی کارروائیوں سے شہر چنیوٹ میں بھی مہاجرین کو رقبے، مکان وغیرہ الاٹ ہونے شروع ہو گئے اور قادیانی حضرات آہستہ آہستہ چنیوٹ سے چناب نگر جانے شروع ہو گئے۔ شہر میں قادیانی خاندان نہ ہونے کے برابر ہو گئے اور قادیانی سکول تعلیم الاسلام ہائی سکول بھی چناب نگر منتقل ہو گیا۔

آل پاکستان احرار کانفرنس فیصل آباد (لائل پور، ۱۹۴۸ء):

۱۹۴۶ء کے آخر میں ہم دہلی سے پنجاب چلے آئے۔ چند روز رشتے داروں میں رہ کر واپس دہلی جانے کا پروگرام تھا۔ والد محترم نذیر مجیدی دہلی میں اچھا بھلا کام کر رہے تھے۔ مکان اور کارخانہ جہاں ہمارے کاریگر جفت سازی کا کام کرتے وہیں چھوڑ آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمارا دوبارہ دہلی جانا منظور نہیں تھا۔ مجھے تپ محرقہ ہوا جو طویل ہو گیا۔ پہلے میری تیمارداری اور بیماری واپس جانے کی راہ میں حائل رہی پھر فسادات شروع ہو گئے۔ جس کے بعد قیامِ پاکستان کا اعلان ہوا تو پھر ہم چنیوٹ کے ہی ہو کے رہ گئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں فیصل آباد جو اس وقت لائل پور تھا میں ایک بہت بڑی آل پاکستان احرار کانفرنس منعقد ہوئی۔ چنیوٹ جسے پنجاب میں مجلس احرارِ اسلام کے ایک اہم مرکز کی حیثیت حاصل تھی، اس کانفرنس

میں شرکت کی تیاریوں میں پیش پیش تھا۔ گردونواح کی بستیوں سے بھی احرار رضا کار چنیوٹ پہنچنا شروع ہو گئے اور ایک بہت بڑا اجیش لائل پور احرار کانفرنس میں شرکت کے لیے روانہ ہوا۔ دھوبی گھاٹ جواب اقبال پارک کے نام سے مشہور ہے میں کانفرنس کا اہتمام تھا۔ وسیع پنڈال کے علاوہ ہر شہر سے آنے والے رضا کاروں کے خیمے لگے ہوئے تھے اور پورا علاقہ ''احرارستان'' کا منظر پیش کر رہا تھا۔ دو روزہ کانفرنس تھی۔ رضا کاروں کے مظاہرے، شہر میں باوردی پریڈ اور رات کو کانفرنس کے اجتماع ہوتے رہے۔ مجھے یاد ہے کہ پنڈال میں داخلہ بذریعہ ٹکٹ تھا۔ یہی دو چار آنے کا ٹکٹ اندر داخل ہونے کے لیے ضروری تھا۔ مین گیٹ پر احرار رضا کاروں کی ڈیوٹی تھی جس کی قیادت چنیوٹ کے محمد حسین (الٰہی بخش شہید کے داماد) کر رہے تھے۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اپنے کئی ساتھیوں کے ساتھ جب پنڈال کے اندر داخل ہونے کے لیے آئے تو احرار رضا کار محمد حسین نے اُن سے بھی ٹکٹ داخلہ طلب کیا۔ جواب میں شاہ جی نے کہا کہ بیٹے ٹکٹ تو میرے پاس نہیں ہے، رضا کار نے جواب میں کہا کہ پھر آپ جائیے اور فلاں کیمپ سے ٹکٹ خرید کر آئیے، تب ہی آپ کا پنڈال میں داخلہ ممکن ہے ورنہ نہیں۔ شاہ جی نے رضا کار کے حکم کی تعمیل کی اور اپنے تیس چالیس ساتھیوں کے ساتھ داخلہ ٹکٹ خرید کر آئے۔ ٹکٹ رضا کار کے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ تم نے کہا ہے مجھے بہت ہی اچھا لگا ہے اور میں تمہارے اس کام پر تمہیں شاباش دیتا ہوں۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے اُس وقت ہمارا رضا کارانہ نظام کس قدر منظّم اور قابلِ ستائش تھا۔ اور پھر ہمارے رہنما ایسے کاموں میں حائل نہیں ہوتے تھے بلکہ ایسے کاموں کی حوصلہ افزائی فرماتے کہ نظم وضبط کے بغیر تو ایک شطرنج ایسوسی ایشن نہیں چل سکتی چہ جائیکہ ایک پوری جماعت۔ اس کے لیے احرار رضا کار اور احرار رہنما دونوں لائق تحسین وآفرین ہیں۔ رضا کار کا اعتماد اور رہنما کی تعمیل دونوں نے مل کر ہمارے رضا کارانہ نظام کو ایک ایسی قوت میں تبدیل کر دیا تھا کہ جس نے تحریکِ پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے طوفانِ بدتمیزی کو بھی خاطر میں نہ لا کر اس کا بڑی جرأت اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اور کہیں پر بھی وہ مسلم لیگ کی عوامی قوت کے سامنے سرنگوں نہیں ہوئے۔

شورش کاشمیری اور جنرل شاہ نواز کی شرکت:

اس کانفرنس میں شورش کاشمیری اور آزاد ہند فوج کے جنرل شاہ نواز نے بھی شرکت کی اور عوام سے احرار کے سٹیج سے خطاب کیا۔ شورش کاشمیری کے لباس کو دیکھ کر میں حیران ہوا کہ اب وہ پینٹ اور شرٹ میں ملبوس تھے۔ اور اُس کے جسم پر گوشت کا بھی اضافہ ہو چکا تھا۔ ۱۹۴۶ء میں دہلی کے شورش اور ۱۹۴۸ء میں فیصل آباد کے شورش میں کافی فرق محسوس ہوا۔ انہوں نے بھی اپنی تقریر میں کہا کہ:

> ''لوگ آج میرے لباس کو دیکھ کر حیران و پریشان تو ضرور ہیں کہ یہ وہی شورش ہے جو کبھی کھدر میں ملبوس ہوتا تھا۔ آج ریشم پہنے ہمارے سامنے کھڑا تقریر کر رہا ہے، بھائی بات بالکل سیدھی اور سادی ہے اُس وقت ہم آپ سے کہتے تھے کہ کھدر پہنو آپ نہیں پہنتے تھے آج تم کہتے ہو کھدر پہنو ہم نہیں پہنتے۔''

جنرل شاہ نواز پاکستان میں رہنا چاہتے تھے کہ اُن کا تعلق راولپنڈی کے گردونواح کے کسی علاقے سے تھا لیکن حکومت

پاکستان اُنہیں پاکستان رہنے کی اجازت دینے کے لیے تیار نہیں تھی وجہ صرف یہ تھی کہ وہ آزاد ہند فوج سے متعلق تھے اوران کی رہائی کا مقدمہ کانگریس نے لڑا تھا۔ پاکستان کی سی۔آئی۔ڈی نے دن رات اُنہیں تنگ کرنا شروع کیا تو انہوں نے پاکستان چھوڑ کر ہندوستان کی راہ لی۔ جہاں پر اُنہیں فوج کے محکمہ میں اہم نوکری دی گئی۔شورش جب ''کومن ویلتھ'' کے صحافیوں کی کانفرنس میں شرکت کے لیے دہلی گئے تو جنرل شاہنواز نے انہیں اپنے ہاں ٹھہرنے کی دعوت دی تو شورش نے اس لیے انکار کر دیا کہ اب آپ جس محکمے میں ملازم ہیں میں پاکستانی کی حیثیت میں آپ کی اس دعوت کو قبول کرنے سے معذور ہوں، حالانکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے بہت گہرے دوست تھے۔ جنرل شاہنواز نے لائل پور کی اس کانفرنس میں تقریر کی اور جماعت احرار کے بارے میں کہا کہ:

> ''مجلس احرار اسلام کا غلامی کے خلاف جدو جہد میں جو حصہ ہے اس پر ہمیں فخر ہے۔ اکابر احرار اور رضا کارانِ احرار نے جس ہمت، دلیری اور حوصلے سے قید و بند کے مصائب برداشت کیے انہیں الفاظ میں بیان کرنے سے میں قاصر ہوں۔ میری اور مجلس احرار اسلام کی قدر مشترک صرف اور صرف انگریز دشمنی ہے اور اسی قدرِ مشترک نے مجھے آپ سے یہاں آکر مخاطب ہونے پر آمادہ کیا آج میں اس بات پر فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میں مجلس احرارِ اسلام کے جلسے میں شریک ہو کر اپنے دل کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں اور میرے دل کی بات وہی ہے جو امیر شریعت کا قول ہے کہ ''اس دھرتی نے آج تک انگریز سے بڑھ کر دشمن اسلام پیدا ہی نہیں کیا۔''

پاکستان میں مجلس احرارِ اسلام کی مجلس عاملہ کا پہلا اجلاس:

قیامِ پاکستان کے بعد مجلس احرار اسلام پاکستان کی پہلی مجلس عاملہ کا اجلاس بھی یہیں لائل پور کانفرنس کے موقع پر دھوبی گھاٹ کے مغربی کونے میں ''نور محمد دست کاری'' سکول کی عمارت میں ہوا تھا جس میں مجلس احرارِ اسلام کے تمام اہم رہنماؤں نے شرکت کی۔ دروازے پر میری ڈیوٹی تھی۔ سالارِ اعلیٰ کا مجھے حکم تھا کہ کوئی شخص اوپر نہ جائے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اسی حکم کے تحت صاحبزادہ فیض الحسن اور مولانا محمد علی جالندھری دونوں کو اوپر جانے سے روک دیا۔ یہ دونوں احرار کے عظیم رہنما میرے کہنے پر اُس وقت تک رکے رہے جب تک میں نے سالارِ اعلیٰ سے اجازت لے کر اُنہیں اوپر جانے کے لیے نہیں کہا۔ یہ تھا ہماری جماعت کا رضا کارانہ نظام جو ہماری جماعتی قوت کی اصل بنیاد تھی۔ وہ رضا کار جو اپنے رہنماؤں کے حکم پر تحریکوں میں شامل ہو کر جیل جانے کے لیے تیار ہو جاتے تھے اور گولی کھانے تک کو بھی تیار رہتے تھے۔ جماعتی نظم میں رہنما جماعت کے رضا کاروں کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے تھے۔ جس سے رضا کاروں میں اعتماد، حوصلہ اور نظم وضبط کی اہمیت کا احساس پیدا ہوتا تھا اور اُنہیں یہ بھی محسوس ہوتا تھا کہ ہماری حیثیت بھی جماعت کے اندر رہنماؤں سے کم نہیں ہے۔

لائل پور (فیصل آباد) کی یہ کانفرنس اور مجلس عاملہ کا اجلاس جس میں تقریباً سبھی احرار رہنماؤں نے شرکت کی۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، شیخ حسام الدینؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، صاحبزادہ فیض الحسنؒ، شورش کاشمیریؒ، مولانا سید ابوذر بخاریؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ اس لحاظ سے انتہائی اہم اجلاس تھا کہ پاکستان بن جانے کے بعد پہلی مجلس عاملہ کا اجلاس تھا۔ ظاہر ہے کہ اس میں پاکستان کے اندر جماعتی نظم کو

بحال کرنے کے علاوہ اور بہت سے اہم معاملات پر بھی گفتگو ہوئی ہوگی۔ مستقبل میں ہمیں کن حکمت عملیوں کے تحت اس ملک کے اندر جماعت کو لے کر آگے بڑھنا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد مجلس احرارِ اسلام کی یہ کانفرنس خصوصی حیثیت کی حامل تھی جو ہر لحاظ سے کامیاب رہی۔ رضا کارانہ تنظیم تو ہر لحاظ سے اپنے عروج پر تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد نیا ولولہ، نیا جذبہ اور عزم و استقلال دیکھا گیا۔ جلسے میں عوام کی شرکت، تقاریر کا معیار دیکھ کر ہر احرار رضا کار جیسے کہہ رہا ہو:

کہو نہ خدا سے لنگر اُٹھا دے
میں طوفاں کی ضد دیکھنا چاہتا ہوں

لاہور میں مجلس احرارِ اسلام کی تاریخی کانفرنس (۱۹۴۹ء):

اس کانفرنس کے بعد جلد ہی دوسری احرار کانفرنس لاہور میں شرکت کی تیاریاں شروع ہوگئیں جو ۱۳، ۱۴، ۱۵ / جنوری ۱۹۴۹ء کو لاہور میں ہوئی۔ ربیع الاوّل کا مہینہ تھا۔ میلاد النبی کے جلوس میں پاکستان بھر سے احرار رضا کاروں کی کثیر تعداد جو ہزاروں تک کہی جاسکتی ہے جلوس میں شریک ہوئی۔ جماعت احرار کا عسکری نظام قابلِ دید تھا۔ ہزاروں کی تعداد میں احرار سرخ پوش رضا کار لاہور کی سڑکوں پر مارچ کرتے رہے۔ لاہور، سیالکوٹ، گوجرانوالہ اور لائل پور کے احرار عسکری بینڈ دھنوں کے ساتھ ایک عجیب و غریب، دلکش و دلفریب سماں پیدا کر رہے تھے۔ عسکری دھنوں پر رضا کاروں کی پریڈ نے لوگوں کو مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ لوگ حیران تھے کہ احرار رضا کاروں نے یہ تربیت کہاں سے اور کیسے حاصل کی ہے کہ بالکل سرخ وردی میں فوج کے ہم پلّہ دکھائی دے رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ قلعہ لاہور کے جنوبی دروازے پر احرار رضا کاروں نے پنجاب کے وزیرِ اعلیٰ نواب افتخار حسین ممدوٹ کو سلامی دی جو احرار کی طرف سے مسلم لیگی وزیرِ اعلیٰ کو قیامِ پاکستان کے بعد خیر سگالی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ غازی محمد حسین سالار اعلیٰ پنجاب اور سالار معراج ہمارے سپہ سالار تھے۔ اسی کانفرنس کے موقع پر دفتر احرار بیرون دہلی دروازہ مجلس احرارِ اسلام پاکستان کی مجلس عاملہ کی ایک اہم میٹنگ میں اس اہم فیصلہ کو آخری شکل دی گئی۔

تاریخی فیصلہ:

> ''مجلس احرارِ اسلام اگرچہ اس پوزیشن میں ہے کہ وہ پاکستان میں بطور اپوزیشن قوم کی خدمت کرسکتی ہے اس کے باوجود مجلس احرارِ اسلام ملکی سیاست سے الگ رہنے کا اعلان کرتی ہے۔ انتخابی سیاست سے علیحدہ ہوکر دینی محاذ پر دینی اقدار اور دینی شعائر کے تحفظ تک اپنے آپ کو محدود کرتے ہوئے اعلان کرتی ہے کہ احرار کے جن رہنماؤں نے سیاست میں کام کرنا ہے وہ مسلم لیگ میں شامل ہوکر اس نئے ملک کے اہم مسائل کو حل کرنے کے لیے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کریں۔''

رہنماؤں نے یہ فیصلہ تو کر لیا لیکن اس کے بعد مشکل مرحلہ یہ تھا کہ جلسہ عام میں اس اہم اور تاریخی فیصلے کا اعلان کون کرے گا۔ تأثر یہ تھا کہ رضا کارانِ احرار شاید اس فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ جو کہ پاکستان میں مسلم لیگ کے مقابل حزب اختلاف کے طور پر کام کرنے کے لیے ذہنی طور پر بالکل تیار تھے۔ جب کوئی بھی رہنما اس تاریخی فیصلے کا اعلان کرنے کے لیے تیار نہ ہوا تو یہ مشکل کام بھی امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے سپرد کیا گیا۔ چنانچہ رات

کے اجتماع میں جب شاہ جی نے اس تاریخی فیصلے کا اعلان کیا جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ احرار اپنی سیاسی حیثیت کو ختم کر کے سیاسی کام کے لیے مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرے گی۔ تو اس اعلان کے بعد میں نے احرار رضا کاروں کو اپنے خیموں میں دھاڑیں مار کر روتے ہوئے دیکھا۔ اُن کے رونے اور سسکیوں کی آواز جلسہ گاہ میں عام لوگوں کو بھی سنائی دی جا رہی تھی۔ اس کے باوجود فیصلے کی تعمیل کی گئی۔ احرار رضا کاروں اور رہنماؤں کی ایک محدود تعداد نے مسلم لیگ میں شمولیت بھی اختیار کر لی یہ الگ بات کہ ان میں سے بعض نے مسلم لیگ سے حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ کا چکر کاٹ کے دوبارہ جماعت احرار میں شمولیت کی۔ سوائے نواب زادہ نصر اللہ خان جو اس کے بعد کبھی جماعت احرار میں شامل نہ ہوئے۔ اس موقع پر سٹیج پر شاہ جیؒ سے بھی میری ملاقات ہوئی۔ یہ انتہائی مختصر ملاقات تھی۔ میرے ہاتھ میں شاہ جی کا فوٹو تھا۔ مجھ سے خیریت پوچھی۔ فرمانے لگے: یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ میں نے کہا: شاہ جی! یہ آپ کا فوٹو ہے جو میں نے یہیں سے ہی خریدا ہے۔ کہنے لگے تمہیں بھی میرے فوٹو کی ضرورت ہے۔ تم نے میری تصویر کیوں خریدی ہے؟ چند لمحوں کی یہ ملاقات تھی لیکن اس ملاقات میں بھی وہی خلوص وہی محبت جو آپ کی شخصیت کا لازمہ تھی مجھے میسر آئی۔ ان چند لمحوں کی ملاقات سے مجھے بے پناہ خوشی ہوئی کیونکہ جب میں چنیوٹ سے کانفرنس میں شرکت کے لیے چلا تھا تو جہاں مجھے کانفرنس میں شمولیت کی خوشی تھی وہاں میری یہ خواہش بھی اپنے پورے عروج پر تھی کہ شاید کانفرنس کے دوران شاہ جی سے میری ملاقات ہو جائے۔

قومی اخبارات کی رائے:

کانفرنس کے اختتام کے بعد دوسرے روز قومی اخبارات میں مجلس احرارِ اسلام کے اس تاریخی فیصلے کو شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیا گیا۔ پورے ملک کے عوام نے اس فیصلے کو بنظر استحسان دیکھا اور پڑھا۔ اخبارات نے اس پر اداریے لکھے۔ اس فیصلہ کو قومی استحکام اور ملکی فلاح کے لیے ایک نیک فال قرار دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ مجلس احرارِ اسلام نے یہ فیصلہ کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ قیام پاکستان کو اپنے دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرتے ہیں اور ملک کے قیام کے بعد وہ بھی اسی طرح حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہیں جس طرح دوسرے پاکستانی۔ اور اس طرح اُن کا تحریک پاکستان سے علیحدہ رہنے کا ایک طرح سے ازالہ بھی ہے۔ ہر پاکستانی خصوصاً پاکستان کے حکمرانوں کو بھی اپنے دل و دماغ کی تمام وسعتوں کے ساتھ اس فیصلے کی ستائش کرنی چاہیے۔

اسی کانفرنس میں شاہ جی نے عوام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

> ”میں اُن لوگوں میں سے نہیں ہوں جو صدا دیتے پھریں کہ میں تو شنۂ وفاداری لیے پھرتا ہوں۔ میری انگلی پکڑ کر ساتھ لے چلو۔ جس مقتل میں چاہو مجھے ذبح کر دو ایسا کبھی نہیں ہوگا، ہرگز نہیں ہوگا کہ بخاری کسی کو دھوکا دے۔ میں خوش ہوں، میری خوشی بیکراں ہے کہ اس ملک سے انگریز نکل گیا۔ میں دنیا کے کسی حصے میں بھی سامراج کو نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کو قرآن اور اسلام کے خلاف سمجھتا ہوں۔
>
> تم میری رائے کو خود فروشی کا نام نہ دو۔ میری رائے ہار گئی اور اس کہانی کو یہیں ختم کر دو۔ اب پاکستان نے جب بھی پکارا واللہ باللہ اس کے ذرّے ذرّے کی حفاظت کروں گا۔ مجھے یہ اتنا ہی عزیز ہے جتنا کوئی اور دعویٰ کر سکتا ہے۔ میں قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔ اس طرف کسی نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو آنکھ پھوڑ دی

جائے گی۔ ہاتھ اٹھایا تو ہاتھ کاٹ دیا جائے گا میں اس وطن اور اس کی عزت وتحفظ کے مقابلے میں نہ اپنی جان عزیز رکھتا ہوں نہ اولاد۔ میرا خون پہلے بھی تمہارا تھا اور اب بھی تمہارا ہے۔
اس تقریر کا عملی جواب آپ نے اُس وقت دیا۔ جب حیدر آباد دکن کی فتح کے موقع پر پاکستان کے وزیرِاعظم نے اپنی رہائش گاہ کی بالکونی سے تقریر کرتے ہوئے ہندوستان کے خطرناک عزائم سے نقاب اٹھاتے ہوئے ہوا میں اپنا مکّا لہرایا تھا کہ ہم متحد ہیں اور اگر ہندوستان کی طرف سے کوئی ایسا اقدام پاکستان کے خلاف ہوا تو پوری قوم اس مکّے کی طرح اکٹھی ہوکر اس کا مقابلہ کرے گی۔ امیر شریعتؒ اُس وقت میدان عمل میں آئے اور پورے پاکستان میں دفاع کانفرنسوں کا جال پھیلا دیا، غیور پاکستانیوں کی غیرت کو للکارا اور اُنہیں عسکری تربیت کی طرف توجہ دلائی اور اپنی صفوں میں اتحاد قائم کرکے دشمن کے مقابلے میں متحد ہونے کی تلقین کی۔ یہ سب کچھ اس بات کی تصدیق ہے جو یہ فرمایا تھا کہ میں ''قول کا نہیں عمل کا آدمی ہوں۔''

قادیانیت کے مسئلہ پر اختلافات:

مجلس احرارِ اسلام نے اس تاریخی فیصلے کے بعد ردِّ قادیانیت کے کام کو مزید تیز کر دیا۔ احرار سیاسی معاملات میں مسلم لیگ کے ہم نوا تو ہوگئے لیکن وہ قادیانیت کے بارے میں مسلم لیگ کی حکمت عملی کے سخت خلاف ہی رہے۔ جس سے اس بات کا خدشہ ہر وقت موجود رہا کہ یہ اتحاد کہیں نہ کہیں ٹکراؤ کی صورت بھی پیدا کرسکتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب ملک کے اندر ضمنی انتخابات کا مرحلہ آیا تو آل پاکستان مسلم لیگ نے مجلس احرارِ اسلام کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے بعض قادیانی امیدواروں کو بھی مسلم لیگ کے ٹکٹ دیے۔ جس پر مجلس احرارِ اسلام نے سخت ردِّعمل کا اظہار کیا۔ اور باضابطہ اعلان کر دیا کہ وہ ان قادیانی امیدواروں کی مخالفت کرے گی جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ضمنی انتخاب میں مسلم لیگ کے امیدوار ہوں گے۔ ہر اس قادیانی کی مخالفت کی جائے گی جو الیکشن میں غیر مسلم ہوتے ہوئے مسلمانوں کا نمائندہ بن کر اسمبلی کا ممبر بننے کی کوشش کرے گا۔ جس جس جگہ پر قادیانی کو مسلم لیگ نے ٹکٹ دیا۔ وہاں مجلس احرارِ اسلام نے اپنا محاذ کھول دیا، لائل پور کے نزدیک چک جھمرہ میں عصمت اللہ قادیانی کو مسلم لیگ کا ٹکٹ دیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے حلقوں میں بھی قادیانی امیدوار کھڑے کیے گئے۔ ہر جگہ ہر قادیانی امیدوار کے مقابلے میں احرار ڈٹ گئے اور انہیں ناکام بنانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔ چک جھمرہ کے حلقے میں قادیانی امیدوار کے خلاف وسیع پیمانے پر عوامی جلسوں کا اہتمام کیا گیا۔ جن میں کئی جلسوں کو امیر شریعت نے بھی خطاب کرنا تھا۔ اسی سلسلے میں شاہ جی نے فیصل آباد ریلوے سٹیشن پر اترنا تھا۔ انسانوں کا جمِ غفیر آپ کے استقبال کے لیے ریلوے سٹیشن پر موجود تھا۔ استقبال کرنے والوں میں مَیں بھی موجود تھا۔ جب آپ کی گاڑی ریلوے سٹیشن پر آ کر رکی تو فضا نعرۂ تکبیر کی صداؤں سے گونج اٹھی۔ امیر شریعت زندہ باد کے نعروں سے ماحول تھرّا کے رہ گیا تھا۔ گاڑی کے جس ڈبے میں امیر شریعت موجود تھے اس کے ساتھ والے ڈبے میں علاقے کے بہت بڑے پیر جو ''مولوی قطبی'' کے نام سے مشہور تھے بھی موجود تھے۔ انہیں بھی کسی کام کے سلسلے میں فیصل آباد ہی اترنا تھا۔ ان کی نگاہ جب امیر شریعتؒ پر پڑی تو انہوں نے از راہِ احترام شاہ جی سے فرمائش کرتے ہوئے کہا کہ حضرت آپ کا بستر میں

اٹھالیتا ہوں۔ شاہ جی نے جواب میں کہا کہ یہ بوجھ تو میں اکیلا بھی اٹھالوں گا تم اس بوجھ اٹھانے میں میرا ساتھ دو، میرا ہاتھ بٹاؤ جورد قادیانیت کے سلسلے میں مجھ پر آن پڑا ہے۔ آؤ میرے ساتھ مل کر قادیانی امیدوار کے خلاف تقریریں کرواور اس قادیانی کو ناکام بنانے میں میری مدد کرو۔ میں نے سن رکھا ہے کہ اس علاقے میں تمہارے اچھے خاصے مرید رہائش پذیر ہیں۔ انہیں منع کرو کہ وہ قادیانی امیدوار کو ووٹ نہ دیں تا کہ قادیانیوں کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو کہ وہ مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے نمائندہ کے طور پر اسمبلی میں اُن کے ووٹوں سے منتخب ہو کر اسمبلی کے رکن ہیں۔ چنانچہ ”مولوی قطبی“ نے ہامی بھری اور دوسرے دن ہم نے دیکھا کہ جلسہ گاہ میں وہ بھی موجود تھے۔ یہ خوبی تو شاہ جی میں بدرجۂ اَتم موجود تھی کہ وہ راہ جاتے ایک فرد کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتے تھے اور اس سے دین کی خدمت کا کام لے لیتے تھے۔ چنانچہ یہ انتخابی معرکہ آج تک لوگوں کو یاد ہے۔ میں خود سائیکل پر سوار ہو کر اُن جلسوں میں شریک ہو کر لوگوں کے جذبۂ ایمانی سے اپنے ایمان کو تازہ کرتا تھا۔ لوگوں کا جذبہ، اُن کا ولولہ اور جوش وخروش دیدنی تھا۔ شاہ جی پر نچھاور ہوئے جاتے اور کہتے ان شاءاللہ ہم اس قادیانی کو تو اسمبلی کا نمائندہ نہیں بننے دیں گے۔ مجھے یاد ہے کہ چک جھمرہ کے ریلوے سٹیشن پر قادیانیوں اور احرار رضا کاروں کے درمیان تصادم بھی ہوا تھا۔ جس میں قادیانی امیدوار عصمت اللہ اور اس کا بیٹا زخمی ہوا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

وزیراعظم اور قاضی احسان احمد کی ملاقات:

اس انتخابی معرکہ میں حصے لینے کے لیے ملک کے وزیراعظم خان لیاقت علی خان بھی لائل پور ایک سپیشل سیلون کے ذریعے پہنچے۔ وہ اپنے مسلم لیگی قادیانی امیدوار کے حق میں عوامی جلسے سے خطاب کرنا چاہتے تھے۔ جس کی وجہ سے لائل پور اور اس کے گردونواح کے عوامی حلقے اچھے خاصے مشتعل تھے اور نہیں چاہتے تھے کہ لیاقت علی کسی جلسے سے خطاب کریں۔ احرار حلقے بھی ایسا نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح ان کی الیکشن مہم بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح مدد کی کہ لائل پور ریلوے سٹیشن پر ہی خان لیاقت علی خان سے قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی ملاقات کی صورت پیدا ہو گئی۔ ملاقات علیحدگی میں تھی، جس میں قاضی صاحب نے وزیراعظم کو قادیانی خدوخال سے پوری طرح اُن کی اپنی کتابوں کے حوالے سے آگاہ کر دیا۔ قاضی صاحب کا ایک خاص طریقہ تھا کہ وہ قادیانی کتب ایک صندوق میں اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اور ہر بڑے افسر کو ملاقات کے ذریعے قادیانی کتب سے قائل کرتے تھے کہ وہ کافر ہیں اور مسلمانوں کے بارے میں خود مرزا قادیانی نے جو زبان استعمال کی ہے وہ کوئی شریفانہ انداز نہیں ہے۔ چنانچہ لیاقت علی کے ساتھ دس منٹ کی ملاقات تقریباً ایک گھنٹے کی ملاقات میں تبدیل ہو گئی۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے اتنی خوب صورتی کے ساتھ قادیانیت کے تار پود وزیراعظم کے سامنے بکھیرے کہ وہ بغیر تقریر کیے لائل پور سے ہی واپس چلے گئے۔ وزیراعظم نے قاضی صاحب سے وعدہ کیا کہ وہ ملک کے کسی بھی حلقہ میں اپنے کسی قادیانی امیدوار کے حق میں تقریر نہیں کریں گے۔

دراصل اس ملاقات نے قادیانیوں کی ملک کے خلاف درپردہ سازشوں سے پردہ اٹھادیا۔ دونوں رہنماؤں کے درمیان کچھ ایسے وعدے بھی ہوئے جن کا تعلق پاکستان کے مستقبل سے بھی تھا۔ جو قادیانیوں کے لیے انتہائی نقصان دہ ہوسکتے تھے۔ قادیانی جب اس بات سے واقف ہوئے تو خبردار بھی ہوئے اور خطرناک بھی۔ یہی وجہ ہے کہ قادیانی، لیاقت علی کی شہادت کی سازش میں برابر کے شریک تھے۔ اس مقدمۂ شہادت میں اگر دیانتداری سے کام لیا جاتا اور مقدمہ کی فائل اور ریکارڈ کو ضائع نہ کیا جاتا تو قادیانی سازش اس وقت ہی سامنے آجاتی۔ بہرحال یہ بات تو واضح ہے کہ سید اکبر لیاقت علی کا قاتل نہیں تھا۔ اگر وہ قاتل ہوتا تو پھر اسے گولی نہ ماری جاتی بلکہ اسے پکڑا جاتا، قاتل کوئی اور تھا۔ پنجاب پولیس بھی اس سازش میں پوری طرح ملوث تھی، دوسرے لیاقت علی ان دنوں پاکستان، ایران اور مصر کو ایک پلیٹ فارم پر لا کر ایک ایسا مسلم یونٹ بنانے کی کوشش کر رہے تھے جس پر تینوں مسلم ممالک کے بین الاقوامی مسائل کو ایک ہی سٹیج سے دنیا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اس کا تذکرہ ''مارشل لا سے مارشل لا تک'' کتاب میں موجود ہے جو راجہ غضنفر علی کی ڈائری کے حوالے سے سید نور احمد کی تصنیف میں موجود ہے۔ راجہ صاحب اس وقت ایران میں پاکستان کے سفیر تھے، بہرحال لیاقت علی کے واپس چلے جانے کے بعد قادیانی حلقے پر اوس پڑگئی اور وہ بری طرح مایوس ہوگئے۔ انتخاب کا جب اعلان ہوا تو پورے ملک کے اندر ایک قادیانی امیدوار بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کرم اور مجلس احرارِ اسلام کی محنت کا اجر تھا جو انھوں نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی قیادت میں ردِّ قادیانیت کے سلسلے میں پوری قوم کے سامنے پیش کی تھی

کیا خوبیاں جمع تھیں بخاری کی ذات میں
جس نے ہلا کے رکھ دیا انگریز کا نظام

اس عظیم فتح کے بعد مجلس احرارِ اسلام نے ملک بھر میں یومِ تشکّر منایا۔ جس کا ذکر اگلی قسط میں پیش قارئین کیا جائے گا۔ (جاری ہے)

☆☆☆

HARIS 1

حارث ون

ڈاؤلینس ریفریجریٹر
اے سی سپلٹ یونٹ
کے بااختیار ڈیلر

Dawlance

061 -4573511
0333-6126856

نزد الفلاح بینک، حسین آگاہی روڈ، ملتان